مسلمانوں کے لیے مشن

عالمِ اسلام کے لیے تبشیری ذہن کی حکمتِ عملی

[جنوری ۱۹۹۶ء میں کولوریڈو سپرنگز (ریاست ہائے متحدہ امریکہ) میں مختلف تبشیری تنظیموں سے تعلق رکھنے والے ۷۵ افراد یک جا ہوئے اور انہوں نے عالمِ اسلام میں اشاعتِ مسیحیت کے طریقوں پر غور و فکر کیا۔ "کرسچینٹی ٹوڈے" کے سٹیو ریبی (Steve Rabey) نے حسبِ ذیل رپورٹ لکھی ہے۔ اسلام اور مسلمان ملکوں کے حوالے سے اگرچہ اُن کی بعض دینی اور سیاسی معلومات درست نہیں، تاہم تبشیری ذہن کی تفہیم کے لیے یہ رپورٹ قابلِ مطالعہ ہے۔ مدیر]

اپنے پیروکاروں کی تعداد کے لحاظ سے دُنیا کے دو سب سے بڑے مذاہب مسیحیت اور اسلام کے درمیان ماضی میں کبھی کبھی ٹکراؤ ہوا ہے اور آج بھی دونوں طرف سے ایک دوسرے کو شک کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ دُنیا بھر میں اسلام کے وزن میں روحانی اور سیاسی قوت کے طور پر اضافہ ہو رہا ہے۔ بعض مسلمان انتہا پسند دہشت گردی کی دھمکیوں اور بم دھماکوں کے ذریعے مغرب کے انحطاط کو براہ راست نشانہ بناتے ہیں۔ اِس کے ساتھ ساتھ بہت سے مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ فوجی لحاظ سے برتر مغرب سے اُنہیں خطرہ ہے۔

تناؤ کی مندرجہ بالا کیفیت کے دوران میں تبشیری اور چرچ گروہوں سے تعلق رکھنے والے ۷۵ رہنما جنوری ۱۹۹۶ء میں اِس لیے یک جا ہوئے کہ مسلمانوں میں اشاعتِ مسیحیت کا پروگرام بنایا جائے، نہ کہ اُن کے ساتھ کشمکش کو ہوا دی جائے۔ مسلمان معاشروں میں اشاعتِ مسیحیت کا کام کرنے والوں نے مکالمے پر زور دیا اور مسلمانوں کو بطور خطرہ پیش کرنے کی مخالفت کی۔

کولوریڈو سپرنگز میں "اسلام اور مسیحی مشن پر بین الاقوامی بریفنگ" کے منتظمین میں سے ایک "ورلڈ وژن" کے برائنٹ مائرز نے کہا کہ "ہمیں ایسے رویّے کی ضرورت ہے جو تعمیری ہو اور اسوۂ مسیح علیہ السلام کے مطابق ہو۔ ہمیں [اسلام مخالف] صلیبی ذہن کی جگہ صلیب دادہ (اذیتیں برداشت کرنے والے) ذہن کی ضرورت ہے۔"

آج ہتھیاروں کی نسبت ترغیب و تشویق کے ذرائع زیادہ ترقی یافتہ ٹیکنالوجی کے حامل ہیں اور اس طرح یہ ہتھیاروں کی نسبت کہیں زیادہ تخریبی کردار بھی ادا کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر اسلامی ملکوں میں کلیساؤں سے وابستہ جو تبشیری کارکن کام کر رہے ہیں، وہ اکثر محسوس کرتے ہیں کہ اُن کی

کارکردگی مساجد سے وابستہ گروہوں کی سرگرمیوں کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے۔ مساجد سے وابستہ ان گروہوں کو تیل کی دولت سے مالامال عرب ملکوں سے مالی امداد ملتی ہے، یہ گروہ انسانی ہمدردی کی بنیاد پر کی جانے والی کامیاب مسیحی کوششوں کی نقل کرتے ہیں، اور اپنے ملکوں سے مبشرین کو نکال باہر کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔

لندن میں قائم "ادارہ برائے مطالعۂ اسلام و مسیحیت" کے ڈائریکٹر پیٹرک سکھ دیو نے اُس "صلیبی ذہنیت" کے خلاف تقریر کی "جس کے تحت ہم مسلمانوں کو بطور دشمن دیکھتے ہیں۔" مسلمانوں میں سے حلقۂ مسیحیت میں آنے والے سکھ دیو نے صلیبی جنگوں کے اثرات پر دکھ کا اظہار کیا، جو ۹۰۰ برس پہلے شروع ہوئی تھیں اور تقریباً ۲۰۰ سال خونین برسوں کے بعد ختم ہوئیں۔ اُنہوں نے کہا کہ "ماضی کے واقعات پر ہم صرف استغفار کر سکتے ہیں۔ اِس وقت ہمیں اِس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ ہم آج جو کچھ کر رہے ہیں وہ اُسوۂ مسیح کے مطابق ہے۔"

اختلافات موجود ہیں

کانفرنس کے شرکاء میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ مسلمان اور مسیحی اپنے اختلاف بُھلا کر پُرجوش طور پر گلے مل رہے ہیں۔ اگرچہ دونوں مذاہب میں مشرقِ وسطیٰ کا جغرافیہ اور یہودی الہامی پس منظر مشترک ہے، لیکن انسانی معاملات طے کرنے اور خدا کی رضا حاصل کرنے کے بارے میں اُن کے نقطہ ہائے نظر باہم مخالف و متضاد ہیں۔

آج جب ہزارہ دوم اپنے اختتام کو پہنچ رہا ہے، پچاس سے زائد ملکوں میں اسلام اکثریت کا مذہب ہے۔ مسلم اکثریت کے بعض ملکوں میں مسیحیوں کو مُلکی قانونِ توہین رسالت کے تحت یا حکومتی پشت پناہی پر ایذائیں دی جا رہی ہیں یا سزائے موت دی جا رہی ہے۔ جنوری میں National Association of Evangelicals (مبشرین مسیحیت کی قومی تنظیم) نے صدر کلنٹن سے اپیل کی تھی کہ اُس "ظلم و ستم کا مقابلہ کریں جو مختلف حکمرانوں نے مسیحی عقیدے اور عبادت سے خوف کھاتے ہوئے شروع کر رکھا ہے۔"

ستم رسیدہ اقلیت

ایشیا اور افریقہ کے مسلم اکثریتی کے ملکوں کی کیفیت یہ ہے کہ خود ساختہ خادمانِ دین کے ہاتھوں مسیحی سخت ترین ایذا برداشت کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر شمالی نائجیریا میں فوجی آمریت مضبوط مسلم روابط کے ساتھ مسیحیوں کو ختم کرنے کے لیے کوشاں ہے۔

نائجیریا میں سوکوٹو کے اینگلیکن بشپ جوسیا فیران نے کانفرنس کے شرکاء کو بتایا کہ "ہم اپنے

ملکوں میں اس لیے دوسرے درجے کے شہری کے طور پر زندگی گزار رہے ہیں کہ ہم مسیحی ہیں۔" فیران نے امریکی مسیحیوں پر زور دیا کہ وہ عالم اسلام میں اپنے ہم مذہب بھائیوں کی افسوس ناک حالت کے بارے میں باخبر رہیں اور اُن کے دکھ سکھ میں شریک ہوں۔ فیران نے کہا کہ "جب ایک مسلمان مسیح کے قدموں میں آتا ہے تو وہ واقعتاً ہر ایک چیز سے محروم ہو جاتا ہے، اِس لیے اُس کا ایمان اس کے لیے دوگنا مہنگا ہوتا ہے۔ [دُنیا بھر کے مسیحیوں میں] ہمیں ایسا احساس چاہتے ہیں کہ جیسے ہم ایک جسم ہیں۔"

فیران نے مغربی مسیحیوں کو ترغیب دی کہ وہ مسلم اکثریتی ممالک کے مسیحی کلیسیاؤں اور اداروں کے ساتھ طویل المیعاد روابط میں منسلک ہوں۔ اُن کی رائے میں پادریوں کی تعلیم و تربیت، کلیسیاؤں کی تعمیر، دینیاتی لٹریچر کی فراہمی اور عدالتوں میں ماخوذ مسیحیوں کے دفاع کے لیے مالی امداد کی ضرورت ہے۔

کارل ایلس نے جہاں یہ کہا کہ غیر ملکی مسیحی [مسلمان ممالک] میں مسیحیت کی اشاعت کے لیے مدد کرنا پسند کریں گے، اُنھوں نے وہیں واضح کیا کہ اسلام ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں پھیل رہا ہے۔ ایلس نے گزشتہ سال اکتوبر میں "دس لاکھ افراد کے مارچ" میں شرکت کی تھی جو "نیشن آف اسلام" کے رہنما لوئیس فراخان نے منظم کیا تھا۔

ایلس کے الفاظ میں "اسلام یہاں آچکا ہے۔ یہ ہمارے دروازے پر کھڑا ہے اور ہمیں اس صورتِ حال کو سنجیدگی سے لینے کی ضرورت ہے۔" ایلس نے جو ایک کتاب Free at large (آخر کار آزاد) کے مولف ہیں، مزید کہا کہ اسلام بہت سے گورے اور سیاہ فام امریکیوں کے لیے پرکشش ہے جو مسیحیت کو روحانی طور پر دیوالیہ سمجھتے ہیں۔

حکمتِ عملی کے مختلف انداز

کانفرنس کے منتظمین نے مسلمانوں کے لیے مسیحی مشن کا مربوط اندازِ نظر تلاش کرنے کی کوشش کی، مگر ایسی وحدت عنقا نظر آتی ہے۔

ایک گروپ نے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ کام کرنے والے سٹیلائٹ ٹیلی وژن سسٹم کا تصور پیش کیا، جو اُن ملکوں کے لاکھوں گھروں کے لیے مسیحی تعلیمات اور اس تناظر میں تفریحی پروگرام پیش کرے جن میں اشاعت مسیحیت پر پابندی ہے۔ بعض شرکاء نے "مبشرین مسیحیت کی قومی تنظیم" کی کوششوں کی تائید میں گفتگو کی جو دوسرے ممالک میں مسیحی آبادی کے تحفظ کے لیے حکومت [امریکہ] پر زور دیتی ہے، لیکن ماہر قانون عالم لن بزارڈ (lynn Buzzard) نے متنبہ کیا کہ ایسی کوششیں فائدے کے بجائے نقصان کا باعث بن سکتی ہیں۔ "اگر مذہبی آزادی امریکی ایجنڈا بن جاتی ہے تو اس

سے مسئلہ زیادہ بڑھ جائے گا اور اس سے یہ تاثر پیدا ہوگا کہ مسیحیت، مغرب کے مترادف ہے اور یہ سب کچھ امریکہ بہ مقابلہ عرب دُنیا ہے۔"

دوسرے شرکاء نے نئی سوچوں پر بحث مباحثہ کیا۔ مثال کے طور پر دعائیہ جلوس زیرِ بحث آئے یا "۱۰-۴۰ درجے کے دریچے" یا "۲۰۰۰ء" جیسے تصوّرات کے تحت ہونے والی سرگرمیوں پر اظہارِ خیال کیا گیا۔ کچھ شرکاء نے ان سرگرمیوں کو "موسمی اشاعتِ مسیحیت" کا نام دے کر تنقید کا نشانہ بنایا۔

"ورلڈ وژن" کے جناب مائرز نے کہا کہ "ہم امریکی مسیحی اپنی مقامی مسیحی جماعتوں میں منسلک رہنا چاہتے ہیں اور دُنیا بھر تک رسائی چاہتے ہیں، لیکن یہ بہت ہی بڑی چھلانگ ہے۔ جس بات کی ہمیں ضرورت ہے، وہ "رشتہ داری کا ربط" ہے جس میں آپ کو خداوند کے کنبے کے دو حصّوں کے طور پر طویل عرصے کے لیے باہم مل کر کام کرنا ہے۔"

[اکثر افراد نے کانفرنس میں شرکت کی دعوت قبول کی]، مگر مسلمان معاشرے میں کام کرنے والے ایک بڑے ہی تجربہ کار مشنری نے یہ کہتے ہوئے شرکت سے انکار کیا کہ یہ کوشش ایک غیر مؤثر اور از کار رفتہ انداز کو مضبوط کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ مختلف رپورٹوں کا حوالہ دیتے ہوئے اُنھوں نے کہا کہ جو مسلمان مسیحیت میں داخل رہتے ہیں، اُن میں سے نوّے فیصد دوبارہ اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ اس مسیحی کارکن نے کہا کہ مغربی مبشّرین مسلمان ملکوں میں مسیحیت کی کوئی ایسی شکل پیش نہیں کرتے جو موزوں اور ثقافتی اعتبار سے معاشرے کا حصّہ ہو بلکہ یہ کاوشیں واضح طور پر مغربی کلیسیائیت (Churchianity) عام کرتی ہیں۔

افریقہ

سوڈان: خانہ جنگی کے دوران میں مسیحیت پھیل رہی ہے۔

جنوبی سوڈان گزشتہ ۱۳ برس سے خانہ جنگی کا شکار ہے۔ تقریباً دس فیصد مسیحی آبادی کے ایک حصّے نے وفاقی حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھا رکھے ہیں جسے عالمی سطح پر اُن قوّتوں کا تعاون حاصل ہے جو سوڈان کے اندازِ سیاست سے اختلاف رکھتی ہیں۔ برِاعظم افریقہ کی مفاداتی سیاست کے نتیجے میں وقتاً فوقتاً سوڈان کے ہمسایہ ممالک سے بھی وفاقی حکومت کے خلاف برسرِپیکار طبقے کو تائید و حمایت حاصل ہو جاتی ہے۔ خانہ جنگی کے طویل عرصے میں قیامِ امن کی متعدّد کوششیں کی گئی ہیں، مگر ان میں سے کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکی، تاہم تجزیہ نگاروں کی رائے میں یہ بات بھی واضح ہے کہ عسکری ذرائع سے کسی فریق کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں، بالآخر یہ مسئلہ گفت و شنید اور مذاکرات ہی سے حل ہوگا۔